ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS
CC BY NC

مصباح برکت
ایم فل سکالر، شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر عذرا پروین
صدر شعبہ اردو، دی ویمن یونیورسٹی، ملتان

الطاف یوسف زئی کے سفر ناموں کی تاریخی و تہذیبی پرتیں

Misbah Barkat *
M Phill Scholar, Department of Urdu, The Women University Multan.
Dr.Azra Parveen
Chairperson, Department of Urdu, The Women University Multan
***Corresponding Author:** bintebarkat2@gmail.com

The Historical and Cultural Layers in the Travelogues of Altaf Yousafzai

Travel is not merely a movement across geographical boundaries, but a journey of self-realization infused with civilizational and historical consciousness. In Urdu literature, the tradition of travel writing has never been confined to physical observations alone; rather, it has encompassed layers of culture, history, psychology, society, and identity. Dr. Altaf Yousafzai's travelogues stand as a significant and intellectual contribution to this modern tradition. His travel narratives Thailand ke Rang, Neel ke Sang, and Bekhaal Hindosh Bakhsham are not mere tourist accounts, but thoughtful engagements with intercultural dialogue, historical memory, and the inner psyche of a Muslim traveler. This paper, through selected textual references, demonstrates how Altaf Yousafzai crafts a symbolic and reflective narrative that bridges the past and the present, East and West, faith and modernity. His prose reveals not only a personal lens but also a broader civilizational commentary, reviving historical consciousness and inviting intellectual reflection. For him, history is not a static

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

recollection of the past but a living framework for interpreting the present and shaping the future.

Key Words: *Altaf Yousafzai, Urdu travel literature, cultural identity, historical consciousness, Muslim traveler, civilizational dialogue, modern Urdu prose.*

ادب انسانی جذبات، تجربات، افکار اور مشاہدات کا ایسا آئینہ ہے جو ایک فرد کی داخلی کیفیت سے لے کر ایک قوم کی اجتماعی شعور تک کو لفظوں میں ڈھالنے کا فن ہے۔ انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں ادب نے محض تفنن طبع یا تخیلاتی پروازوں کا ذریعہ بننے کے بجائے، وقت اور معاشرے کے اصل مزاج کو محفوظ کرنے کا کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب محض خیالات کا مجموعہ نہیں بلکہ تہذیبوں کا نمائندہ، تاریخ کا گواہ، اور شعور کا ترجمان بھی ہے۔ ہر دور کا ادب اس عہد کے سیاسی، سماجی اور ثقافتی تناظر میں جنم لیتا ہے اور اپنے اندر وہ تمام عناصر سمیٹے ہوتا ہے جو کسی قوم یا خطے کی فکری تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اردو ادب میں مختلف اصناف نے وقت کے ساتھ ساتھ ترقی پائی ہے جن میں افسانہ، ناول، شاعری، تنقید، سوانح اور سفر نامہ شامل ہیں۔ ان تمام اصناف میں سفر نامہ ایک ایسی صنف ہے جس میں تخیل سے زیادہ مشاہدہ اور حقیقت نگاری کا دخل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر قدسیہ قریشی سفر نامے کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

> "سفر نامہ مثبت یا منفی جذبات و خیالات واثرات کا مرکب ہے۔ سفر نامہ حالات و واقعات سفر کا مربوط اور مکمل بیان ہوتا ہے۔ اس طرح سفر نامہ وہ طرز تحریر اور اسلوب بیان ہوا جس میں انسان یا سیاح اپنے داخلی احساسات، خارجی حالات کے ساتھ جوڑ کر اپنی ذہنی، دلیاور طبعی کیفیت ظاہر کرتا ہے۔"(۱)

سفر نامہ نگاری بظاہر ایک بیانیہ صنف معلوم ہوتی ہے جس میں کسی مقام یا ملک کے سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ صنف صرف مقامات، مناظر یا راستوں کی تفصیل تک محدود نہیں بلکہ اس میں ایک عہد کی روح، تہذیبی اقدار، سیاسی و سماجی حالات، تاریخی پس منظر اور بین الثقافتی مکالمے کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔ سفر نامہ نگاری بیک وقت ادب، تاریخ، جغرافیہ، معاشرت اور تہذیب کا احاطہ کرتی ہے۔

اردو ادب میں سفر نامہ نگاری کی روایت پر اگر ایک سر سری نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس صنف نے ابتداء ہی سے علمی اور تہذیبی حوالوں سے قارئین کو متوجہ کیا۔ یوسف خان کمبل پوش سے لے کر ابن انشا، مستنصر حسین تارڑ اور جدید سفر نامہ نگاروں تک اس صنف نے کئی رنگ بدلے، اور ہر دور میں سفر نامہ نگاروں

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

نے نہ صرف اپنے سفر کی تفصیلات پیش کیں بلکہ ان مشاہدات کو ایک فکری پیرائے میں ڈھال کر قاری کو اپنی تہذیب سے باہر کی دنیا سے روشناس کرایا۔ خاص طور پر جدید اردو سفر نامہ نگاری میں جو فکری پختگی اور ثقافتی وسعت نظر آتی ہے، وہ اس صنف کو دیگر اصناف ادب سے ممتاز کرتی ہے۔ ڈاکٹر غلام فرید اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"تہذیب ایک اصطلاح (Term) ہے اور تاریخ ایک علم (Knowledge)۔ تاریخ کا سروکار معاشروں اور تہذیبوں سے ہوتا ہے کیونکہ کوئی بھی واقعہ کسی خاص مقام اور وقت کا متقاضی ہوتا ہے"۔ (۲)

اسی روایت کو نہایت سنجیدگی، بصیرت اور تہذیبی شعور کے ساتھ آگے بڑھایا ہے معاصر اردو ادب کے معروف سفر نامہ نگار ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے، جن کے سفر نامے محض سیاحتی روداد یں نہیں بلکہ تاریخی و تہذیبی شعور کے آئینہ دار ہیں۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے اپنے سفر ناموں میں جن ممالک کا سفر کیا، ان کے تاریخی پس منظر، تہذیبی رنگارنگی، معاشرتی نظام اور فکری رویّوں کو نہایت باریک بینی سے نہ صرف مشاہدہ کیا بلکہ ان کے اندر پنہاں تاریخی و تہذیبی پرتوں کو زبانِ قلم میں لا کر قاری کے سامنے ایک فکری منظر نامہ مرتب کیا۔ ان کے ہاں ہر ملک کی تاریخ، وہاں کی زبان و ادب، فن و ثقافت، مذہب و رسوم اور سماجی ڈھانچے کو محض معلوماتی انداز میں نہیں بلکہ ادبی چاشنی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جو ان کے سفر ناموں کو محض ایک سیاح کی ڈائری نہیں، بلکہ ایک محقق اور تہذیبی مورخ کی کاوش بنا دیتی ہے۔

سفر نامہ محض مقامات کے مشاہدے اور راستوں کی روداد نہیں بلکہ ایک ایسا ادبی بیانیہ ہے جو بیک وقت تاریخ اور تہذیب کی پرتوں کو قاری کے سامنے وا کرتا ہے۔ ہر سفر صرف فاصلے طے کرنے کا نام نہیں بلکہ ایک تہذیب سے نکل کر دوسری تہذیب سے آشنا ہونے کا وسیلہ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر نامہ نگار جب کسی اجنبی سرزمین پر قدم رکھتا ہے تو وہ محض منظر نہیں دیکھتا بلکہ پس منظر میں موجود صدیاں، نسلیں، تمدن اور فکری دھارے بھی اس کے مشاہدے کی گرفت میں آتے ہیں۔ یہی تاریخی اور تہذیبی شعور سفر نامے کو محض "سیاحت نگاری" کے محدود دائرے سے نکال کر سنجیدہ اور بامقصد ادب کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ سید محمد عقیل اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12
ماخذ تحقیقی مجلّہ

"سفر نامہ کیا ہے؟کچھ تو تجربات جو مسافر نے اپنے دوران سفر کیے۔کچھ عجائب و غرائب، جو سیر و سفر کرنے والے نے دیکھے اور کچھ مقامات کی دلفریبی، مختلف ممالک میں زندگی بسر کرنے والوں کے سماجی حالات، ان کے رسم ورواج، ان کی پسند ناپسند، سب کا بیان۔"[۳]

مرزا ریاض کے خیال میں:

"سفر نامہ تاریخ نہیں ہے، محض جغرافیہ اور خالص ادب بھی نہیں ہے۔ مگر ان سب کی ایک ملی جلی شکل ضرور ہے۔ایک خوبصورت شکل جس میں دیگر نصابی علوم کی طرح سب کچھ یاد نہیں رکھنا پڑتا، بلکہ سب کچھ یاد رہ جاتا ہے۔دیگر ممالک کے جغرافیائی اور تاریخی کوائف تو نصابی کتابوں میں بھی مل جاتے ہیں، مگر وہاں کی معاشرت، تہذیب وثقافت، موسیقی وفنون لطیفہ، افکار و نظریات، صحافت و سیاست، سائنسی، صنعتی اور طبی ایجادات کو ہم متحرک اور زندہ و تابندہ شکل میں سفر ناموں اور سیاحت ناموں میں دیکھتے ہیں۔"[۴]

کسی بھی عہد کا ادب اس وقت تک مکمل تصویر فراہم نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنے وقت کی تاریخی جڑوں اور تہذیبی شناخت کو اپنی تحریر میں جگہ نہ دے۔ بالخصوص سفر نامہ چونکہ مختلف جغرافیوں اور قوموں سے براہِ راست روبرو ہونے کی صنف ہے، اس لیے اس میں تاریخی اور تہذیبی عناصر از خود داخل ہو جاتے ہیں۔ سفر نامہ نگار جب کسی مقام کی عمارتوں، آثارِ قدیمہ، عجائب گھروں، دریاؤں، بازاروں یا رہن سہن کا ذکر کرتا ہے تو وہ دراصل کسی قوم کے تہذیبی رویوں اور تاریخی تسلسل کی جھلک پیش کر رہا ہوتا ہے۔اسی لیے سفر نامہ صرف ایک ذاتی تجربہ نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک قومی، ثقافتی اور تاریخی بیانیہ بھی بن جاتا ہے۔

ادب میں سفر نامہ نگاری کے ذریعے تاریخ اور تہذیب کو محفوظ کرنے کا رجحان کئی حوالوں سے اہمیت رکھتا ہے۔

ا۔ سفر نامہ تاریخ کا زندہ اظہار ہوتا ہے جو ماضی کے گمشدہ مناظر، شخصیات اور تہذیبی رویوں کو نہ صرف محفوظ کرتا ہے بلکہ انہیں قاری کے شعور مین از سر نو زندہ کر دیتا ہے۔ تاریخ کی کتب اکثر واقعات اور اعداد و شمار تک محدود ہوتی ہیں، مگر سفر نامے ان تاریخی واقعات کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتے ہیں۔ سفر نامہ تاریخ کو محض ماضی کا حصہ نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک مسلسل جاری روایت کے طور پر پیش کرتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

۲۔سفر نامہ نگاری میں تہذیبی ہم آہنگی اور تناو کا بیان ایک اہم اور باریک پہلو ہے۔سفر نامہ نگار جب کسی خطے کی زبان، لباس، کھانے، تہوار، مذہبی رسوم اور روزمرہ زندگی کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ تہذیب کے متحرک اور رواں پہلوؤں کو محفوظ کرتا ہے۔ یہ مشاہدہ اس وقت مزید بامعنی ہو جاتا ہے جب وہ اس مشاہدے کو اپنی تہذیب سے موازنہ کر کے کسی گہری فکری یا جذباتی بصیرت تک پہنچتا ہے۔

۳۔سفر نامے ثقافتی رابطے کا ایک موثر اور دلکش ذریعہ ہوتا ہے،تاریخی اور تہذیبی عناصر جب سفر نامے میں شامل ہوتے ہیں تو وہ صرف قاری کو نئی معلومات نہیں دیتے بلکہ اسے ایک نئے ثقافتی نظام سے متعارف کروا کر اس کے اندر وسعتِ نظر اور بین الثقافتی شعور پیدا کرتے ہیں۔یوں سفر نامہ محض ایک ادبی صنف نہیں رہتا بلکہ تہذیبوں کے درمیان ایک علمی اور فکری پُل کا کام بھی کرتا ہے۔

۴۔سفر نامہ نگاری حقیقت پسندی کو غیر معمولی تقویت دیتی ہے کیونکہ سفر نامہ خیالی دنیا کی بجائے حقیقی مشاہدات اور زندہ کرداروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔تاریخی و تہذیبی عناصر سفر نامے میں حقیقت نگاری کو مزید گہرائی عطا کرتے ہیں۔سفر کے راستے، تاریخی مقامات، سماجی نظام اور تہذیبی رویّے جب ایک سفر نامہ نگار کے قلم اور شعور سے بیان ہوتے ہیں تو ان میں صداقت اور تاثیر کی آمیزش ہو جاتی ہے جو عام تاریخی کتب میں مفقود ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ سفر نامہ نگاری میں تاریخی اور تہذیبی عناصر محض پس منظر کی تفصیل نہیں ہوتے بلکہ یہ صنف کی روح اور اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہ عناصر سفر نامے کو سطحی بیان سے نکال کر فکری گہرائی، علمی وزن اور تہذیبی وقار عطا کرتے ہیں۔ہر قوم کے لیے اس کی تاریخ نہ صرف ماضی کا ایک ورثہ ہوتی ہے بلکہ حال اور مستقبل کے فکری اور تہذیبی رویوں کی تشکیل کا بنیادی حوالہ بھی۔یہی وجہ ہے کہ جب کوئی حساس اور بیدار ذہن سفر نامہ نگار کسی ملک کے حالات و مناظر کو قلم بند کرتا ہے تو وہ محض جغرافیائی خدوخال یا قدرتی حسن تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس خطے کے تاریخی شعور کو بھی اپنے مطالعے کا حصہ بناتا ہے۔ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے تھائی لینڈ کے سفر میں اس خطے کے تاریخی پس منظر کو ایک باشعور مؤرخ کی طرح دیکھا اور بیان کیا ہے۔انہوں نے قدیم حکمرانوں کی روحانیت اور انسان دوستی، مذہبی اثرات اور ثقافتی اقدار کو اس طرح پیش کیا ہے کہ تھائی لینڈ کی تاریخ کا فکری اور تہذیبی شعور قاری پر منکشف ہو جاتا ہے۔

ان کے بیان میں تھائی لینڈ کے بادشاہوں کی حکومت کو محض فتوحات کے تناظر میں نہیں دیکھا گیا بلکہ وہاں کے معاشرتی اصولوں، رعایا پروری اور امن پسندی کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے۔قدیم تاریخ میں ان

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12
ماخذ تحقیقی مجلہ

حکمرانوں کے فیصلے محض اقتدار کی توسیع نہیں بلکہ عوامی فلاح اور روحانی سکون سے وابستہ نظر آتے ہیں۔ بادشاہ اشوک کی مثال اسی تاریخی شعور کا ایک مظہر ہے کہ جس نے کلنگہ کی جنگ میں تباہی دیکھنے کے بعد اپنے فتوحات کا سلسلہ روک دیا اور جانوروں تک کو قتل ہونے سے محفوظ رکھنے کے احکامات جاری کیے۔ اس واقعے کا ذکر یوسف زئی کے بیانیے میں محض ایک واقعہ نہیں بلکہ تھائی معاشرت کے اس قدیم تاریخی شعور کی نمائندگی ہے جس میں انسانی جان اور حیوانی زندگی کی حرمت کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کے اس بیان سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ انہوں نے تھائی لینڈ کی تاریخ کو صرف مخصوص بادشاہوں کے ادوار تک محدود نہیں رکھا بلکہ مذہبی اثرات اور بودھ مت کی روایات کو بھی تاریخی ارتقاء کے ساتھ جوڑا ہے۔ ان کے مطابق حکمرانوں کے فیصلے مذہبی تعلیمات اور روحانیت کے اثر سے گہرے طور پر وابستہ تھے، جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ تھائی معاشرت میں تاریخ اور مذہب ایک دوسرے کے متوازی چلتے ہوئے عوامی شعور کو تشکیل دیتے ہیں۔ یوں الطاف یوسف زئی نے محض تاریخی واقعات کو نقل نہیں کیا بلکہ ان کے پس منظر میں موجود اس فکری اساس کو بھی نمایاں کیا ہے جو کسی بھی معاشرے کی اصل شناخت سمجھی جاتی ہے۔۔ ڈاکٹر الطاف جہاں اس تاریخ سے متاثر دکھائی دیتے ہیں، وہیں ان کے مشاہدے میں یہ پہلو بھی شامل ہے کہ ایسے اصول و انصاف جو وہ غیر ملکوں میں دیکھتے ہیں، ان کی کمی اپنے معاشرے میں شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں وہ تھائی معاشرت کے ایک اور تاریخی عنصر کو بیان کرتے ہیں جو وقت کے ساتھ وہاں کی ثقافت کا حصہ بن چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "میں نے گائیڈ سے پوچھا یہ کون ہیں تو اس نے بتایا کہ یہ بدھا کے ڈاکٹر کا مجسمہ ہے جس نے بیماری میں بدھا کا مساج کیا تھا اور وہ تندرست ہو گئے تھے۔ میں نے پوچھا یہ جو تھائی لینڈ میں مساج کی شہرت ہے اس کا ربط کہیں بدھا کے اس ڈاکٹر کے طریقۂ علاج سے تو نہیں۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا جی بلکل ایسا ہی ہے"۔[۵]

یہ اقتباس اس تاریخی رشتے کو واضح کرتا ہے جس نے تھائی معاشرے میں مساج سینٹرز کو محض ایک جسمانی علاج یا جدید مغربی رجحان بننے سے بچا کر، انہیں تاریخی اور روحانی حوالوں سے جوڑ رکھا ہے۔ یوں یہ روایت نہ صرف مقامی سطح پر رائج ہے بلکہ بدھ مت کے ابتدائی ادوار تک پیوستہ ہے، اور آج بھی اسی تہذیبی تسلسل میں قائم ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تہذیب کا اصل اظہار اس کے عوامی رویوں، معاشرتی تعلقات اور طبقاتی احساسات

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے تھائی لینڈ کے سفر میں جہاں تاریخی شعور کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، وہیں اس معاشرت کی تہذیبی پرتوں کو بھی نہایت باریک بینی سے بیان کیا ہے۔ ان کے مشاہدات سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ تھائی معاشرت میں سماجی انصاف اور طبقاتی تقسیم کا شعور ایک منفرد انداز سے موجود ہے۔ یہاں کی عوام میں اپنی معاشی حالت پر قناعت کا جذبہ پایا جاتا ہے، اور غربت کے باوجود خود داری اور عزتِ نفس کا احساس ان کے رویوں سے جھلکتا ہے۔

الطاف یوسف زئی کے بیانیے سے واضح ہوتا ہے کہ تھائی معاشرت میں عورت کی حیثیت محض گھر تک محدود نہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی وہ ایک متحرک اور باوقار کردار ادا کرتی ہے۔ یہ عورت محنت کو عار نہیں سمجھتی بلکہ اپنے خاندان کی کفالت کو اپنا فرض گردانتی ہے۔ یہی وہ تہذیبی رویہ ہے جو کسی معاشرے کے اخلاقی قدروں اور اجتماعی شعور کی اصل پہچان بنتا ہے۔ الطاف یوسف زئی نے ان مشاہدات کو محض بیان کرنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کے ذریعے تھائی لینڈ کی اس تہذیبی روح کو اُجاگر کیا ہے جو خود داری، محنت اور معاشرتی احترام پر قائم ہے۔

کسی بھی قوم کی تہذیب کا چہرہ اس کی عورت میں منعکس ہوتا ہے۔ عورت کا مقام، اس کی آزادی، اس پر عائد معاشرتی پابندیاں یا اس کی خود مختاری، کسی بھی معاشرے کے اخلاقی، فکری اور تمدنی معیار کی غماز ہوتی ہیں۔ تھائی لینڈ کی عورت، جہاں ایک طرف محنت، خودداری اور استقامت کی علامت ہے، وہیں دوسری طرف اسے معاشی جبر اور مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی بدصورتی کا شکار بھی پایا جاتا ہے۔ تھائی عورت ہر شعبے میں متحرک ہے کھیتی باڑی سے لے کر کاروبار، مساج سینٹرز، حجامت، گھریلو کفالت، اور بچوں کی تعلیم تک لیکن وہ اپنی اس تگ و دو کو مجبوری نہیں بلکہ بقا کی صورت میں قبول کرتی ہے۔

نیرومن کے ایک مکالمے سے تہذیبی رویے کی جھلک سامنے آتی ہے، جہاں عورت فعال کردار ادا کر رہی ہے مگر مذہبی ادارے اب بھی اسے حاشیے پر رکھنے کی روش پر قائم ہیں:

> "ہماری تہذیب میں قحبائی سرگرمیوں پر انگلی نہیں اٹھائی جاتی بلکہ ملکی ترقی میں ہم ایسی خدمات کے معترف ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کا مذہب عورت کے بارے میں کیا کہتا ہے وہ بولیں مجھے نہیں معلوم مگر ہمارے مذہبی پیشوا ہم سے بات کرنا گناہ سمجھتے ہیں اور ہاتھ لگانا حرام۔ ہمارے لیے ان کے سامنے جانا اور ان سے اچھے موڈ میں گفتگو کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے"۔(۶)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ سچائی تھائی تہذیب کی اس دراڑ کی نشاندہی کرتی ہے جہاں معاشرتی عملیت اور مذہبی رواج کے درمیان ایک واضح خلیج موجود ہے۔ عورت کی محنت کو قبول کیا جاتا ہے، مگر اس کی آواز، وجود اور برابری کے حق کو تقدس کے نام پر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

مساج سینٹرز کی موجودگی اور عوامی قبولیت اس تضاد کی ایک اور جھلک ہے، جہاں جسمانی تھکن کے نام پر جنس اور جسم کو باقاعدہ ادارتی سطح پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ یوں تھائی معاشرت میں عورت ایک طرف تہذیب کی بنیاد ہے، تو دوسری طرف استحصال کی دیوار پر ٹنگی تصویر بھی۔ وہ محنت بھی کرتی ہے، ماں بھی ہے، کاروباری بھی ہے، مگر جب ریاستی ڈھانچہ اور مذہبی رویے اسے باوقار شناخت دینے سے گریز کرتے ہیں، تو تہذیب کے معنی خود سوال بن جاتے ہیں۔

تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں کسی تہذیب کی اصل روح جھلکتی ہے۔ یہ وہ غیر مرئی تسلسل ہے جو صدیوں پر محیط طرزِ فکر، اجتماعی فیصلوں، روزمرہ عادات اور سماجی ضابطوں سے گزرتا ہوا آئندہ نسلوں تک منتقل ہوتا ہے۔ کسی قوم کے تاریخی شعور کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف ماضی کے سنگ میلوں پر نظر نہ کی جائے، بلکہ اس قوم کی روزمرہ زندگی، سماجی فضا، اور انسان کے انفرادی وجود کو درپیش حدود و اختیارات کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے مصر کے سفر میں جس باریک بینی سے تاریخی شعور کو پیش کیا ہے، وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک تاریخ محض سیاسی ادوار یا فتوحات کا نام نہیں بلکہ تہذیب، معیشت، مذہب اور عوامی زندگی کا ایک ہمہ گیر مطالعہ ہے۔ ان کے مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ مصر کی قدیم اور جدید تہذیب ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے اور ہر گوشہ اس تاریخی تسلسل کا پتہ دیتا ہے۔ قاہرہ کی عظیم مساجد، جیسے مسجد علی، مسجد رفائی اور مسجد حسین کا طرزِ تعمیر اور ان کے اہتمام نے نہ صرف اسلامی تاریخ کو زندہ رکھا بلکہ مصری عوام کے مذہبی رجحانات اور تہذیبی ذوق کا بھی آئینہ دار بنایا۔ وادی سینا اور مسجد صحابہ جیسے مقامات میں ان کی دلچسپی سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ صرف موجودہ عہد کی جھلک نہیں دکھاتے بلکہ ان مقامات کے پس منظر میں موجود صدیوں پرانی تاریخی یادداشتوں کو بھی زندہ کرتے ہیں۔

اسی طرح مصر کی معیشت اور عوامی طرزِ زندگی کا مشاہدہ کرتے ہوئے وہ قدیم ادوار تک جا پہنچتے ہیں۔ دریائے نیل کو وہ محض ایک قدرتی حسن کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ مصری تمدن کی ریڑھ کی ہڈی کے طور پر اس کے تاریخی کردار کو اجاگر کرتے ہیں۔ قدیم عقائد میں جانوروں کی تقدیس، مویشیوں کی پرورش اور روزگار کے وسائل

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12
ماخذ تحقیقی مجلہ

کے ذریعے وہ یہ بتاتے ہیں کہ مصر کی معیشت اور مذہبی رجحانات کس طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ عورتوں اور مردوں کے کردار کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے قدیم اور جدید دونوں عہد کی معاشرتی اقدار کو نمایاں کیا ہے؛ عورتیں جہاں محنت اور معیشت میں فعال کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں وہیں قدیم مصری معاشرے میں ان کا جمالیاتی ذوق اور زیورات و لباس کا انتخاب سماجی حیثیت کا اظہار تھا۔ احرامِ مصر اور فرعونوں کے مقابر میں وہ اس تہذیب کے فنی کمالات اور انسانی محنت کی وہ عظمت تلاش کرتے ہیں جو ہزاروں سال بعد بھی زندہ ہے۔

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے مصر کے ان تمام تاریخی اور تہذیبی پہلوؤں کو اس طرح یکجا کیا ہے کہ قاری کے سامنے مصر محض ایک ملک کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ اور سانس لیتی ہوئی تاریخ کے طور پر ابھرتا ہے، جہاں ہر مسجد، ہر وادی، ہر دریا اور ہر قدیم عمارت اپنے اندر ایک مکمل عہد کی کہانی سموئے ہوئے ہے۔ مصری تہذیب، جو بظاہر صرف اہرام، فرعون اور دریائے نیل تک محدود دکھائی دیتی ہے، درحقیقت ایک ایسی وسیع سماجی فضا کا احاطہ کرتی ہے جہاں افراد، خاص طور پر عورت، ایک باوقار اور بااختیار مقام کی حامل رہی ہے۔

قدیم مصری عورت اپنی ذات کے حوالے سے آزاد تھی، وہ اپنے فیصلوں میں خودمختار تھی اور معاشرتی سطح پر مرد کے شانہ بشانہ نظر آتی تھی۔ وہ صرف خانگی زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ ہر پیشے میں نمایاں کردار ادا کرتی تھی۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی اس آزادی کو نہایت واضح انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

> "فرعون کے زمانے میں مصری عورت پر کوئی سماجی قدغن نہ تھی کہ مرد سے تعلق کس طرح رکھے۔ وہ بڑی آسانی سے جنسی معاملات کو موضوعِ بحث بناتی۔ معاشقوں میں بھی عموماً عورت شروعات کرتی۔ خودسپردگی کی صرف خواہش نہ رکھتی بلکہ وہ کھلم کھلا اظہار پر بھی قادر تھی۔ اس کی ایک بڑی مثال زلیخا کی وہ حرکت تھی جس سے حضرت یوسف علیہ السلام بھاگتے ہیں اور راستے میں زلیخا کے شوہر ملتے ہیں اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ دعوتِ گناہ عورت کی طرف سے ہے۔"(۷)

یہ بیان مصری معاشرے کے اس تاریخی پہلو کو نمایاں کرتا ہے جہاں عورت کو صرف سماجی رکن یا صنفی کردار کے طور پر نہیں دیکھا جاتا، بلکہ وہ ایک مکمل فرد کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے ایک ایسی شخصیت جو اپنی خواہشات، فیصلوں اور اظہار پر خود اختیار رکھتی ہے۔ یہ آزادی صرف حیاتیاتی ضرورت کا اظہار نہیں بلکہ تہذیبی سطح

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12
ماخذ تحقیقی مجلہ

پر تسلیم شدہ ایک ثقافتی قدر تھی، جہاں عورت کے افعال پر اخلاقی گرفت کم اور معاشرتی قبولیت زیادہ تھی۔ حضرت یوسفؑ کا واقعہ اس تہذیبی پس منظر کو مذہبی، تاریخی اور سماجی اعتبار سے متوازن انداز میں نمایاں کرتا ہے۔

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کے مصر سے متعلق دیگر مشاہدات میں بھی تاریخی شعور کا واضح عکس موجود ہے۔ وہ فرعونوں کے مقبروں، اہرامِ مصر، اور دریائے نیل جیسے عناصر کے مشاہدے کو صرف سیاحتی تاثر تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ان سے جڑی تاریخ اور اس میں پنہاں تہذیبی فہم کو قارئین تک منتقل کرتے ہیں۔ ان کا سفر نامہ نیل کے سنگ صرف ایک جغرافیائی روداد نہیں بلکہ ایک تہذیب کی فکری بازیافت ہے، جس میں ماضی کی عظمت، حال کا مشاہدہ، اور آگاہی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

مصر، جسے تاریخ کے آئینے میں وہ درجہ حاصل ہے جو صرف چند تہذیبوں کے حصے میں آیا ہے۔ یہ سرزمین نہ صرف اہرامِ مصر، فرعونوں اور دریائے نیل کی پہچان رکھتی ہے بلکہ انسانی شعور، معاشرتی ساخت اور تہذیبی تسلسل کا بھی زندہ مظہر ہے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی، جنہوں نے دنیا کی متعدد تہذیبوں کا مشاہدہ کیا، مصر کے سفر کے دوران اس قدیم تمدن سے جس گہرائی اور بصیرت کے ساتھ آشنا ہونے کی کوشش کی، وہ ان کے فکری و تحقیقی رجحان کی عمدہ مثال ہے۔

اپنے سفر نامے نیل کے سنگ میں وہ مصر کی گلیوں، عبادت گاہوں، عمارات اور مقبروں سے گزرتے ہوئے محض ایک سیاح نہیں رہتے، بلکہ ایک مؤرخ، محقق اور تہذیبی شعور کے امین کے طور پر قارئین کے سامنے آتے ہیں۔

ڈاکٹر الطاف مصر کے عام لوگوں کے طرزِ حیات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ متوسط طبقے کے افراد ایک جیسی اور سادہ زندگی گزارتے تھے، خانگی نظام منظم تھا، عورت کو وراثت میں حصہ حاصل تھا اور طلاق دینا آسان نہ تھا۔ ان کے مطابق:

> "مصری عورت فرعون کے زمانے سے تاحال بااختیار ہے۔ امور خانہ داری سے امور حکمرانی تک یہ باہمت عورت پدرسری معاشرے میں بھی اپنے حقوق اور فرائض سے لطف اندوز ہوتی رہی ہے"۔ (۸)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ بیان اس حقیقت کا غماز ہے کہ مصری عورت محض ثقافتی علامت نہیں بلکہ معاشرتی اکائی کے طور پر ایک مؤثر کردار کی حامل رہی ہے۔ اس کا وجود محض روایتی نہیں، بلکہ تہذیبی تسلسل کا حصہ ہے جو مصر کی تاریخ میں مستقل طور پر موجود رہا ہے۔

مصری عوام کے مذہبی تہوار، دریائے نیل کے کنارے ان کی زندگی کا انحصار، اور احرامِ مصر جیسے قدیم آثار کا احترام اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تہذیب اپنی تاریخی اساس کو صرف ماضی کی یادگار نہیں سمجھتی بلکہ اسے اپنی روزمرہ زندگی میں بھی زندہ رکھے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کے بیان میں یہ تہذیبی روح پوری آب و تاب سے ابھرتی ہے کہ مصر کی شناخت نہ صرف اس کے عظیم آثار یا تاریخی فتوحات سے ہے بلکہ اس کے عوامی رویوں، مذہبی وابستگی اور جمالیاتی اقدار سے ہے جو اسے آج بھی ایک زندہ تہذیب بناتے ہیں۔

سمرقند کے تاریخی اور روحانی پس منظر کو بیان کرتے ہوئے وہ جس ادبی اور تحقیقی درک کے ساتھ لکھتے ہیں، وہ ان کے اندر رچے بسے اس مؤرخ اور تہذیب شناس کی پہچان ہے جو تاریخ کو صرف حوالوں میں نہیں بلکہ محسوسات میں تلاش کرتا ہے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے ازبکستان کے سفر میں اس خطے کی تاریخ کو جس گہرائی سے بیان کیا ہے، وہ ان کے وسیع تاریخی شعور کا غماز ہے۔ تاشقند، سمرقند اور بخارا جیسے تاریخی شہروں کے تذکرے میں وہ نہ صرف ان کے قدیم جلال و وقار کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ ان کی تہذیبی اور مذہبی اہمیت کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ سمرقند اور بخارا کو وہ محض ماضی کی یادگار نہیں سمجھتے بلکہ ان شہروں کے حوالے سے یہ بتاتے ہیں کہ یہ صدیوں تک علم و فن اور روحانیت کے مراکز رہے ہیں۔ امیر تیمور کی فتوحات، علی شیر نوائی جیسے علمی و ادبی شخصیات کا کردار اور وادی فرغانہ کے تہذیبی اثرات ان کے بیان میں ایک مربوط تاریخی تسلسل پیدا کرتے ہیں۔ چنگیز خان کے حملوں سے ہونے والی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ کس طرح یہ شہر دوبارہ آباد ہوئے اور مذہبی و علمی مراکز کے طور پر اپنی حیثیت بحال کرنے میں کامیاب رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونسکو نے جس شہر سمرقند کو عالمی ورثے کی حیثیت عطا کی اور جو چنگیز خان کے ہاتھوں ملیامیٹ ہوا وہ شہر پینتالیس ہجری میں حضرت امیر معاویہ کے دورِ حکمرانی میں مشرف بااسلام ہوا۔ سینکڑوں صوفیائے کرام اور مذہبی اکابرین کے مسکن اس شہر میں بنی اسرائیل کے پیغمبر حضرت دانیالؑ، نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت قاسم بن عباسؓ، اور حضرت عثمان غنیؓ کے فرزند حضرت سعید بن عثمانؓ آسودۂ خاک ہیں۔"(۹)

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہ اقتباس محض ایک تاریخی حوالہ نہیں بلکہ سمرقند کے روحانی، علمی اور تمدنی ورثے کا زندہ بیان ہے۔ یہ وہ شہر ہے جہاں اسلام، تصوف اور تہذیب نے باہم ایک ایسی فضا تشکیل دی جو آج بھی زندہ ہے۔ ازبکستان کے روحانی ورثے پر بات کرتے ہوئے وہ خاص طور پر ان مزارات کا ذکر کرتے ہیں جو نہ صرف مذہبی عقیدت بلکہ تاریخی شعور کا بھی اہم حوالہ ہیں۔ امام بخاری کا مزار، بی بی خانم مسجد، حضرت قاسم بن عباس، سعید عثمان اور حضرت دانیال جیسے مقدس مقامات کا تذکرہ اس بات کی دلیل ہے کہ ازبکستان کا مذہبی ورثہ اس کے تاریخی وجود کا لازمی جز ہے۔ الطاف یوسف زئی ان تاریخی شہروں اور مزارات کو دیکھ کر اس خطے کے اس روحانی اور تہذیبی تشخص کو اجاگر کرتے ہیں جو مختلف ادوار میں نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ پوری انسانی تاریخ کا ایک اہم باب رہا ہے۔ ان کے بیان میں یہ تاثر نمایاں ہے کہ ازبکستان کی پہچان محض جنگی فتوحات یا سیاسی تاریخ نہیں بلکہ اس کی علمی روایت، روحانی مراکز اور تہذیبی استقامت ہے جو اسے آج بھی ایک زندہ تاریخی ورثہ بناتی ہے۔ ڈاکٹر الطاف نہ صرف ان شخصیات کے مزارات کا تذکرہ کرتے ہیں بلکہ ان کی موجودگی کو سمرقند کی روحانی شناخت کا حصہ سمجھتے ہیں۔

یوں بخال ہندوش بخشم ازبکستان کے ماضی وحال، اور روایت وجدیدیت کے سنگم کا ایسا تحریری سفر ہے جو قاری کو ایک طرف تاریخ کے عظیم ابواب سے روشناس کرواتا ہے اور دوسری طرف تہذیبی تسلسل اور شناخت کے گہرے شعور سے بھی آشنا کرتا ہے۔ جیسا کہ تہذیب ایک ایسی اجتماعی صورتِ حیات کا نام ہے جو صرف عمارتوں، لباسوں اور خوراک کے انداز میں نہیں بلکہ فکر، عقیدہ، رسم، روایت، احساس اور اظہار کے اندر بھی رچی بسی ہوتی ہے۔ سفرنامہ نگار اگر محض مشاہدہ کرنے والا سیاح ہو تو اس کی نظر اشیاء پر ٹکتی ہے، لیکن جب وہ تاریخ اور تہذیب کا شعور رکھنے والا قلم کار ہو تو وہ ان اشیاء کے پیچھے چھپے رویّوں، عقائد اور اجتماعی حافظے کو بھی دریافت کرتا ہے۔ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کا سفرنامہ اس شعور کی واضح مثال ہے۔ وہ اپنے مشاہدات کو ثقافتی تانے بانے کے اندر سمیٹتے ہیں اور پڑھنے والے کو ان قوموں کے داخلی مزاج اور تہذیبی شناخت سے متعارف کراتے ہیں۔ ان کے لیے سفر صرف مقامات کی سیر نہیں، تہذیبوں سے مکالمہ ہے۔

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی نے ازبکستان کے سفر میں جہاں تاریخی اور روحانی ورثے کو نمایاں کیا ہے، وہیں اس معاشرت کے تہذیبی رویوں اور عوامی زندگی کی جھلکیاں بھی بڑے دلنشین انداز میں پیش کی ہیں۔ ازبک معاشرت اپنے خاندانی نظام، مہمان نوازی اور اجتماعی میل جول کی روایات کے اعتبار سے ایک مضبوط تہذیبی ڈھانچے کی حامل ہے۔ یہاں کے لوگ محض روایتی اقدار کے پابند نہیں بلکہ ان میں ایک فطری خوش مزاجی اور زندہ

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12
ماخذ تحقیقی مجلہ

دلی بھی جھلکتی ہے، جو ان کے تہواروں اور تقریبات میں خاص طور پر نمایاں ہوتی ہے۔ ان تقریبات میں موسیقی، رقص اور شاعری کا امتزاج ایک ایسے سماجی شعور کو ظاہر کرتا ہے جو خوشی اور میل جول کو زندگی کا لازمی جزو سمجھتا ہے۔۔ ازبک شادی کی ایک تقریب میں شرکت کے تجربے کو وہ ان الفاظ میں قلم بند کرتے ہیں:

> "اچھل کود اور جمناسٹک کی حرکات و سکنات سے کہیں دور، اعضائی شاعری کی یہ مَشق نہ صرف دیدہ زیب تھی بلکہ دعوت آمیز بھی تھی شاید یہی وجہ تھی کہ مسافر بھی ان کا ہم رقص بنا۔ تقریب کا وہ حصہ بہت منفرد اور دلکش تھا جب رقص و موسیقی کو روک کر حال کی ساری روشنیاں بند کر کے صرف دلھا دلھن پر روشنی چھوڑی گئی۔ دلھن دلھے کو دور سے تین مرتبہ جھک کر فرشی سلام کرتی ہے پھر دولھا اپنے دائیں ہاتھ کی کہنی کو دلھن کی طرف اس انداز میں کھول دیتا ہے جیسے کسی پیالے کے ساتھ لگا دستہ۔ دولھن نے اپنا ہاتھ ڈال دیتی ہے اور پھر لوگوں کی چیخوں، نعروں اور شادیانوں میں پورے حال کی بتیاں روشن کر دی جاتی ہیں۔"(۱۰)

یہ منظر نامہ کسی رسمی تقریب کا بیان نہیں، بلکہ ایک مکمل تہذیبی منظر ہے جس میں حرکات، انداز، جذبات، روشنی، اور علامتی اشارات سب کچھ شامل ہے۔ دلہن اور دولہا کے اس علامتی مکالمے میں جس طرح ہاتھ اور جسم کو اظہار کا ذریعہ بنایا گیا، وہ اس تہذیب کی لطافت، فنکارانہ شعور اور روحانی حساسیت کی غمازی کرتا ہے۔ یہاں شادی ایک میکانکی بندھن نہیں بلکہ ایک جمالیاتی تجربہ ہے ایسا تجربہ جو حرکات میں، اجالے میں اور خاموشی میں پنہاں ہے۔

ڈاکٹر الطاف یوسف زئی ان تمام مظاہر کو ایک تہذیب شناس کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کی تحریر تہذیبی شعور کی ایک روشن مثال ہے جس میں ہر قوم، ہر رسم، ہر واقعے کے پس منظر میں ایک پوری تاریخ، ایک مکمل نفسیات اور ایک جمالیاتی پیکر دکھائی دیتا ہے۔ یہی ان کی نثر کی وہ خوبی ہے جو ان کے سفرناموں کو محض سیاحت نہیں، بلکہ تہذیبی مکالمہ بنا دیتی ہے۔ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کی سفر نامہ نگاری محض واقعاتی ترتیب یا سیاحتی مشاہدات کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک ایسے باشعور قلمکار کی آواز ہے جو تہذیب، تاریخ، معاشرت اور انسانی رویوں کو گہرائی سے محسوس کر کے بیان کرنے کا سلیقہ رکھتا ہے۔ جدید اردو سفر نامہ نگاری میں ان کی تحریریں ایک نیا اسلوب، نئی حساسیت اور تہذیبی شعور کے ایک نئے زاویے کو متعارف کرواتی ہیں۔ ان کا قلم اجنبی ثقافتوں کو ایک جذباتی اور

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12
ماخذ تحقیقی مجلہ

فکری حوالہ دیتا ہے، جہاں محض رنگارنگ مناظر نہیں بلکہ اندر کی سچائیاں اور باہر کی تہذیبی پرتیں نمایاں ہوتی ہیں۔ڈاکٹر عذرا پروین ان کی سفر نامہ نگاری کے بارے لکھتی ہیں:

"اردو سفر نامے کی روایت میں ڈاکٹر الطاف بھی ایک ایسے ہی مسافر ہیں جن کے سفر ناموں میں طلسماتی دنیا کی سحر انگیزی، دلفریب نظارے، فطرت کے مصفا و شفاف جھرنے اور جلال و جمال سے آمیختہ انسان قارئین پر تحیر و استجاب اور مسرت و انبساط کے درواہ کرتے نظر آتے ہیں۔"

ان کی تحریر میں قاری کو مسلسل ایک متوازن تضاد کا سامنا رہتا ہے کہیں وہ تھائی لینڈ کی عورت کی خودداری پر روشنی ڈالتے ہیں تو وہیں اس کے جسمانی استحصال کے پس منظر میں مغربی استعمار کی تہذیبی سیاہی کو بھی بے نقاب کرتے ہیں۔ کہیں مصر کی عورت کے تاریخی کردار کو سامنے لاتے ہیں تو کہیں اس کے خاندانی، معاشی اور تمدنی وقار کا بھرپور اعتراف کرتے ہیں۔ کہیں ازبکستان کے مدارس اور خانقاہیں اپنی تاریخی عظمت کے ساتھ طلوع ہوتی ہیں تو ساتھ ہی ان مساجد اور رسم ورواج کو بیان کرتے تہذیب کا تسلسل قرار دیتے ہیں۔ان تمام حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کے ہاں سفر صرف دیکھنے کا نام نہیں، بلکہ سمجھنے اور محسوس کرنے کا عمل ہے۔

ان کے ہاں جدید سفر نامہ نگاری کا جوہر اس میں ہے کہ وہ نہ تو محض معلومات فراہم کرتے ہیں اور نہ ہی صرف تاثرانگیزی کی حد تک محدود رہتے ہیں، بلکہ وہ ان دونوں کے بیچ ایک فکری توازن رکھتے ہیں۔وہ روایت سے جُڑ کر جدید شعور کے ساتھ سفر کو تحریر میں ڈھالتے ہیں۔زبان سادہ مگر پر اثر ہے، بیان محققانہ مگر بیانیہ کی روانی کے ساتھ رواں ہے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ قاری کو صرف زمینوں کی سیر نہیں کراتے بلکہ ذہنوں، تمدنوں اور دلوں کی گہرائیوں تک لے جاتے ہیں۔

اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر الطاف یوسف زئی کی تحریریں جدید اردو سفر نامہ نگاری کی اُس روایت کا تسلسل ہیں جس نے ابن انشاء، مستنصر حسین تارڑ اور دیگر سفر نامہ نگاروں کے بعد ایک نئے فکری اُفق کی تشکیل کی ہے۔ان کا اسلوب نہ صرف مواد کا احترام کرتا ہے بلکہ قاری کی شعوری تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 3, (July to Sep 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-III)urdu-12

ماخذ تحقیقی مجلہ

حوالہ جات

۱۔ غلام فرید، تخلیقی ادب میں تاریخ و تہذیب کا برتاو(professorofurdu.com،۲۰۲۴)۔

۲۔ قدسیہ قریشی، اردو سفر نامہ انیسویں صدی میں (دہلی: فوٹو آفسیٹ پرنٹرز،۱۹۸۷ء) ص۴۹۔

۳۔ سید محمد عقیل، لندن اولندن (لکھنو: نصرت پبلشرز،۱۹۸۷ء) ص۷۔

۴۔ میر زاریاض، مسافر نوبہتیرے (لاہور: انتخاب جدید پریس گوالمنڈی، ۱۹۸۵ء) ص۹،۸۔

۵۔ الطاف یوسف زئی، تھائی لینڈ کے رنگ (فیصل آباد: مثال پبلشرز،۲۰۱۶ء)، ص۹۱۔

۶۔ ایضاً، ص ۵۶۔

۷۔ الطاف یوسف زئی، نیل کے سنگ (فیصل آباد: حسن ادب،۲۰۲۲ء)، ص۴۴۔

۸۔ ایضاً، ص۸۳۔

۹۔ الطاف یوسف زئی، بنگال ہندوش بخشم (لاہور: فکشن ہاوس،۲۰۲۳ء)، ص۵۶۔

۱۰۔ ایضاً، ص۵۵،۵۴۔

۱۱۔ ایضاً، ص۹۰۔